غلام گردش

ایک طوائف کا وزیر اعظم کو خط!

''میرا اصل نام کیا ہے۔ بالکل علم نہیں۔ ان ادنیٰ حالات میں کیونکر پہنچی ہوں' ان تمام کا دھندلہ سا سایہ ذہن میں کسی چھپے ہوئے خانہ میں ضرور محفوظ ہے۔ ماں باپ کا تو خیر پتہ ہی نہیں۔ بچپن جس عورت کے پاس گزرا اسے لوگ جین بائی کہا کرتے تھے۔ بہت مذہبی عورت تھی۔ ہر وقت غریبوں کی مدد کرتی رہتی تھی۔ ہم جیسے کم نصیبوں کا پیشہ کیا ہوگا۔ وہی دنیا کا قدیم ترین دھندا' جو ازل سے کچی مٹی سے گندھی ہوئی بیکار سی عورتوں سے منسوب ہے۔ وسطی پنجاب کے ایک قصبہ سے تعلق ہے۔ کافی بڑا سا شہر ہے۔ اس میں بہت زیادہ طوائفوں کے خاندان آباد ہیں۔ عمر' اس وقت پینتس برس کی ہے۔ صرف اندازہ ہے کیونکہ اصل عمر کا تو کوئی علم نہیں۔ سکول جاتی یا کسی طرح تعلیم حاصل کرتی تو شائد اصل عمر کا معلوم ہو جاتا۔ مگر انگوٹھا چھاپ ہوں۔ لکھ پڑھ نہیں سکتی۔ یہ خط بھی محلّہ میں ایک ٹیچر سے لکھوا رہی ہوں۔ یہ ٹیچر بھی میری طرح بدقسمت ہے۔ خاوند نے طلاق دے دی۔ اب چار بچوں کو پالتی ہے۔ لازم ہے کہ اخراجات' صرف تنخواہ سے پورے نہیں ہوتے لہٰذا مجبوری میں یہ بھی ہمارے جیسی ہی ہو چکی ہے۔

بتایا گیا ہے کہ ملک کا اصل مائی باپ جو ہوتا ہے' اسے وزیر اعظم کہتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ ٹھیک ہے کہ غلط۔ پر ٹیچر نے خط لکھتے ہوئے یہی بتایا تھا۔ چنانچہ' اپنے ملک کے بادشاہ کو خط لکھ رہی ہوں۔ وزیر اعظم کو خط کیسے ملتا ہے' اس کا علم نہیں۔ ٹیچر نے خط کی دس کاپیاں کروا کر' مختلف اخباروں میں لکھنے والوں کو بھجوا دیں ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی بھی لکھاری' میرے جیسی ناپاک عورت کے خط کو کسی اخبار میں جگہ دلوا سکے گا۔ پر خدا سے دعا ہے کہ کوئی نہ کوئی تو میری اور میری جیسی ان گنت عورتوں کی فریاد بادشاہ تک پہنچا پائے گا۔ پہلے کچھ اپنے حالات کے بارے میں عرض کرتی ہوں۔ میرے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ ان کے باپ کے متعلق بات کرنا بالکل لا حاصل ہے۔ کیونکہ ہماری دنیا میں صرف ماں ہی ہوتی ہے باپ کون ہے کہاں ہے اس کے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں کرتا۔ اپنی جہالت پر بہت دکھ ہے۔ اس لئے اپنی اولاد کو پڑھانا چاہتی ہوں۔ گورنمنٹ کے سکولوں میں تو تعلیم واجبی سی ہے۔ لہٰذا محلّہ کے نزدیک ایک پرائیویٹ سکول میں بچوں کا داخلہ کروانے کے لئے چلی گئی۔ وہاں ایک بہت بڑا افسر بیٹھا تھا' جسے ہر کوئی پرنسپل کہتا تھا۔ اس نے ایک فارم بھرنے کے لئے کہا۔ میں نے ولدیت کا خانہ چھوڑ دیا۔ کہنے لگا کہ کوئی نام لکھ دو۔ صرف کاغذ کا پیٹ بھرنا ہے۔ مگر خدا کو جان دینی ہے۔ ٹھیک ہے کہ دھندے کے لحاظ سے تو میں ایک کسبی ہوں۔ مگر سچ تو سچ ہوتا ہے۔ میری خاموشی پر پرنسپل کہنے لگا کہ وہ اس طرح تو بچوں کو سکول میں داخلہ نہیں دے سکتا۔ اس کے پیر پکڑ لئے کہ خدارا' میرے پیشے کا بچوں سے کیا لینا دینا ہے۔ ان کے تمام تعلیمی اخراجات تو مجھی کو پورے

کرنے ہیں۔ میری فریاد سے نہ کوئی آسمان گرا اور نہ کوئی فرشتہ مدد کو آیا۔ بچے واپس لے آئی۔ اب وہ سارا دن گلیوں میں آوارہ پھرتے ہیں۔ پتہ نہیں ان کا مستقبل کیا ہوگا۔ پھر جہاں میرا کوئی مستقبل نہیں ہے تو میری اولاد کا کیا ہوگا۔

جس گھر میں رہتی ہوں' اس میں تین مزید' ہم پیشہ عورتیں بھی رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک عیسائی ہے۔ باقی ہم دو مسلمان ہیں۔ عقیدہ کی بنیاد پر ہمارے گھر میں کبھی کوئی جھگڑا فساد نہیں ہوتا۔ ہم تینوں' عام عورتوں کی طرح اپنے اپنے دکھوں کے ساتھ سانس لے رہی ہیں۔ ہمارے برتن بھی ایک ہیں۔ ایک دوسرے کے تہوار بھی مناتے ہیں۔ ہم جیسے گناہ گار انسانوں کے گھر میں کسی کا عقیدہ' کسی عداوت کا باعث نہیں ہے۔ جب کوئی بتاتا ہے کہ مسلمانوں کے ہجوم نے عیسائیوں کے گھر جلا دیئے یا ان کے خاندان کو زندہ جلا دیا۔ تو عجیب سا لگتا ہے۔ بھلا مذہب کی بنیاد پر کون' کسی سے کیونکر نفرت کر سکتا ہے۔ بہر حال ہمارے مکان میں سب برابر ہیں۔ پوچھنا یہ تھا' بادشاہ سلامت' کہ جب ہم جیسی ان پڑھ طوائفیں مل جل کر امن سے رہ سکتی ہیں۔ تو پڑھے لکھے لوگ کیوں امن سے نہیں رہ سکتے۔ یہ کیوں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے ہیں۔ میری سہیلی' شیلا کے کمرے میں صلیب ٹنگی ہوئی ہے۔ وہ اس کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتی ہے۔ میں پانچ وقت نماز پڑھنے کے بعد دعا مانگتی ہوں۔ وزیر اعظم جی! آپ لوگوں کو سمجھاتے کیوں نہیں کہ خدا تو سب کا ہے۔ وہ تو کسی میں فرق نہیں کرتا۔ پھر اتنی باہمی نفرت اور رقابت کیسی! خیر مجھ جیسی ان پڑھ عورت کی بات کوئی کیوں سنے گا۔ میری حیثیت تو پاؤں کی جوتی سے بھی کم تر ہے۔ ہاں' ایک بات بتانا بھول گئی۔ ہمارے علاقے سے ایک بہت بڑے مولوی صاحب ہیں وہ ہر وقت ٹی وی پر آتے رہتے ہیں۔ بہت اچھے انسان ہیں' ہمارے لئے کچھ بہتر کرنا چاہتے ہیں۔ کیا بھی ہے۔ طوائفوں کی شادیاں کروا دیتے ہیں۔ میری دوست شیلا کی بھی شادی انہوں نے ہی کروائی تھی۔ مگر چند ماہ بعد وہ گھر واپس آ گئی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ گود میں ایک نیا بچہ تھا۔ بادشاہ جی! ہمیں شریف لوگ ہمت کر کے اپنے گھر لے تو جاتے ہیں۔ مگر کچھ عرصہ بعد' وہ اتنا بھاری پتھر اٹھا نہیں پاتے۔ گھریلو جھگڑے' رشتہ دار اور عزیزوں کے طعنے سن سن کر ان کے اندر سے نیکی کا جذبہ' احساس گناہ میں بدلنا شروع ہو جاتا ہے۔ تقریباً ساری شادیاں ناکام ہی ہو جاتی ہیں۔ طوائف کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ بس باتیں ہی باتیں ہیں۔ پارسائی کے بودے سے نعرے ہیں۔ ایک بات' ٹیچر کو کہا' کہ خط میں ضرور لکھے۔ میری تمام سہلیاں جو شادیاں ناکام ہونے پر واپس دھندے میں آئی ہیں۔ ایک جملہ ضرور کہتی ہیں کہ اکثر شرفاء کے گھروں میں' قحبہ خانوں سے زیادہ گند ہے۔ وہاں شرافت کے لیبل کے نیچے ہر طرح کا کام ہوتا ہے۔ مگر کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ مستند شریف لوگ ہیں۔ اور ہم مستند بدکردار۔ شیلا بتاتی ہے کہ ہمارا گھر' اکثر شریفوں کے گھروں سے زیادہ نیک ہیں۔ شیلا کے خاوند نے اسے جن گندے الزامات پر گھر سے نکالا۔ وہ تمام جھوٹ تھے۔ اصل میں اس کا دیور بہت خراب چلن کا آدمی تھا۔ باقی آپ خود سمجھتے ہیں۔ وزیر اعظم صاحب!

آپ تو بادشاہ ہیں۔ ملک پر آپ کا حکم چلتا ہے۔ ہمارے جیسی بدنصیب عورتوں کے مسائل سننے کے لئے کوئی ''بڑے صاحب'' مقرر کیوں نہیں کرتے۔ شائد ہمارے مسائل کوئی تو سن کر حل کر سکے۔ پر نہیں جناب! ہم تو علاقوں کا کچرا ہیں۔ غلاظت کا کنواں ہیں۔ ہماری حیثیت تو جانوروں سے بھی کم ہے۔ لہٰذا' ہمارے مسئلے کوئی سن کر کیوں وقت برباد کرے گا۔

بادشاہ سلامت! لوگ ہمیں چھپ چھپ کر ملتے ہیں۔ رات کے اندھیروں میں ہمیں نامعلوم جگہوں پر لے جاتے ہیں۔ دن کے اجالے میں اگر کوئی چہرہ مانوس سا لگے تو وہ نظریں چرا لیتا ہے۔ کوئی واقف نہیں بنتا۔ بلکہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں جانتے ہی نہیں۔ پوچھنا تھا کہ اگر وہ ہمارے جسموں سے کھلواڑ کر کے برے آدمی ''نہیں گردانے جاتے تو ہمیں کیوں لوگ بدکردار کہتے ہیں''۔ کیا یہ ناانصافی نہیں ہے کہ وہ سب کچھ کر کے عزت دار ہیں اور ہم کسبیاں کہلاتی ہیں۔ بادشاہ جی! آپ ہمیں شرافت سے رہنے کے لئے ماحول کیوں نہیں ترتیب دیتے۔ ہم بھی عام عورتوں کی طرح بسنا چاہتی ہیں۔ مگر کوئی بھی ہمارا ساتھ نہیں دیتا۔ شائد گورنمنٹ ہمارا ساتھ دے ڈالے تو چند پل سکون کے بسر ہو جائیں۔ چلیے۔ بادشاہ جی! آپ ہمارے ہاتھ میں کوئی ہنر ہی دے دیجئے۔ ہمارے لئے کوئی ایسا کام سیکھنے کی تربیت گاہیں بنوا دیجئے۔ جہاں سے فارغ التحصیل ہو کر مناسب عزت سے ہی زندگی گزار لیں۔ ہم تو جہاں جاتے ہیں۔ لوگ گندی نظر سے ہی دیکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہنر سیکھنے سے ہماری زندگی بدل جائے۔

وزیراعظم جی! میں کچھ عرصہ پہلے لاہور گئی تھی۔ بہت بڑا شہر ہے۔ وہاں ایک جگہ دو آدمیوں کی بہت بڑی بڑی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ شیلا نے بتایا کہ ایک تصویر موجودہ وزیراعظم کی ہے۔ اس نے نام بھی بتایا تھا۔ نام میں بھول گئی۔ آپ تصویر سے نیک آدمی لگتے ہوں۔ ملک کے مالک بھی ہوں' پھر بھی ہمارے جیسے بدقسمت لوگوں کے لئے کچھ بھی نہیں کرتے۔ تصویر کے سامنے دعا مانگی تھی۔ کہ خدا آپ کو صحت اور مزید عزت دے۔ شائد آپ کے حکم سے ہمارے جیسے غلیظ لوگوں کا مقدر بدل جائے۔ ویسے شیلا کہتی ہے کہ ہم غلیظ بالکل نہیں ہیں۔ اصل گندے تو وہ لوگ ہیں جو چھپ چھپ کر' نظروں سے بچ بچ کر ہمیں ملنے آتے ہیں۔ ویسے اس میں ہر طرح کے لوگ شامل ہیں۔ مگر کسی کا نام نہیں لونگی۔ ویسے بھی ناموں میں کیا رکھا ہے۔ بادشاہ جی! آخری بات بھول نہ جاؤں۔ بجلی کا بل بہت زیادہ آتا ہے۔ بڑے بابو کو کہہ کر بجلی کے نرخ تو کم کروا دیجئے۔ چھوٹا بابو کہتا ہے کہ بجلی مفت کر دیتا ہوں مگر وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس کی نیت میں کھوٹ ہے۔ بادشاہ جی! ٹیچر کہہ رہی ہے کہ خط لمبا ہو گیا۔ اسے کوئی بھی نہیں چھاپے گا۔ پھر دل کہتا ہے کہ ہماری جیسی عورتوں کی فریاد کوئی نہ کوئی وزیراعظم کے دربار میں ضرور پہنچائے گا''۔